محض ایک نظریہ کا مالک ہی نہیں ہوتا بلکہ اس نے اس کے نفاذ کا حلف بھی اٹھایا ہوتا ہے۔ لوگوں میں بے چینی اور انقلاب پھیلانے کی باقاعدہ سازش تیار کی ہوتی ہے تاکہ تمام موجودہ دساتیر کو ختم کیا جاسکے۔ اس کا طریقہ یہ ہے:

سب سے پہلے لوگوں میں مقبول اصولوں یعنی آزادی رائے اور جمہوریت کا پرچار کیا جاتا ہے تاکہ اس کے سائے میں کمیونزم کا خفیہ پودا پھل پھول سکے۔ آزادی تقریر۔ پبلک جلسہ کا حق اور ہر قسم کی سیاسی ایجی ٹیشن جو کہ قانون کے اندر ہو اس کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے۔ ہر بائیں بازو کی جماعت سے اتحاد کی کوشش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے ایک نرم سی آزاد خیال سوشلسٹ حکومت پہلی منزل کے طور پر قائم کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی اسے الٹ دیا جاتا ہے۔ اس افراتفری میں جو غیر یقینی حالات اور اقتصادی خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مزدوروں اور نئی حکومت کے ایجنٹوں میں ٹکراؤ اور فساد پیدا کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے شہید پیدا کئے جاتے ہیں۔ حکمرانوں میں معذرت خواہانہ رویہ کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ صلح اور امن پسندی کا نقاب اوڑھ کر نفرتوں کو بڑھانے کا ایسا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے کہ جسے پہلے کبھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ جو کمیونسٹ نہ ہوں ان پر کبھی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ حکومتوں یا سیاست دانوں کا ہر وہ فعل جو فراخدلی۔ صلح جوئی پر مبنی ہو اسے خود ان سیاست دانوں یا حکومتوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

پھر جب مناسب وقت اور موقع میسر ہو جائے تو ہر قسم کا تشدد۔ دہشت گردی۔ بھیڑ کی بغاوت سے لے کر خفیہ طور پر لیڈروں کا قتل غرضیکہ ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے پھر حصار پر آزادی اور جمہوریت کے جھنڈے لے کر حملہ کیا جاتا ہے۔ جب طاقت کامریڈوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پھر ہر قسم کی مخالفت اور ہر اختلافی نظریہ کو موت کے ذریعہ کالعدم کر دیا جاتا ہے۔ جمہوریت محض ایک آلہ کے طور پر استعمال کی جاتی جسے بعد میں توڑ دیا جاتا ہے۔ آزادی کو محض ایک جذباتی بے وقوفی سمجھا جاتا ہے جو کہ منطق کے خلاف بات سمجھی جاتی ہے۔ انسانوں پر سوشلسٹ ملاؤں کے مذہبی نظریات ہمیشہ کے لیے تھوپ دیئے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا باتیں ٹیکسٹ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی جن میں طاقتور قوموں کی تاریخ خون سے لکھی

ہوگئی ملتی ہے ان سے کیمونسٹ عقیدہ اور مقصد کا علم واضح طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ ان باتوں کو پہلے سے جان لینے سے انسان قبل از وقت دفاع کے لیے تیار ہو سکتا ہے۔

(ریڈرز ڈائجسٹ مارچ ۱۹۷۱ صفحہ ۱۳۹، ۱۴۲)

یہ چرچل کا بیان ہے جو برطانیہ کا محبوب وزیر اعظم اور جمہوریت کا علمبردار اور برطانیہ کو آڑے وقت میں غلامی سے بچانے والا تھا۔ لیکن وہ بھی مجبور ہے کہ جمہوریت کے بعض خطرات سے عوام کو آگاہ کرے بالغ رائے دہی کے لیے ضروری ہے کہ عوام کی بھاری اکثریت نہ صرف تعلیم یافتہ ہو بلکہ اخلاقی طور سے بھی نیک خصلت اور دوسرے انسانوں کے لئے قربانی دینے کے جذبہ سے سرشار ہو۔ اس کے لیے محض سائنسی تعلیم کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روحانی علوم آخرت پر ایمان اور خوفِ خدا کے ساتھ خدا کی محبت میں اس کی مخلوق کی خدمت کا جذبہ بھی کما حقہٗ موجود ہو۔

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ سائنس نے لوگوں کو اپنے جذبات پر زیادہ قابو رکھنے والا نہیں بنایا ہے۔ نہ ان میں زیادہ رحم کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ نہ ہی ایسا کنٹرول دیا ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھ سکیں ..... لوگوں کے اجتماعی جذبات زیادہ تر برے ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے شدید جذبہ دوسرے گروہوں کے خلاف نفرت اور رقابت کا جذبہ ہے۔ پس موجودہ دور میں ہر وہ چیز جو لوگوں کو اجتماعی جذبات سے کھیلنے کی قوت بخشتی ہے بری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس ہماری تہذیب کو تباہ کرنے کے سلسلے میں خطرہ بن گئی ہے۔

(فیوچر آف سائنس صفحات ۵۳ وغیرہ دیکھیے)

مزید وہ لکھتا ہے اکثریت کا استبداد ایک بہت بڑا حقیقی خطرہ ہے ہر نئے مسئلہ پر اکثریت شروع میں ہمیشہ غلط رائے قائم کرتی ہے مشرق میں عوام اپنے مذہب کے قوانین کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جن پر ان کا ایمان ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں نظریات اور عقائد میں اختلاف ہو وہاں اگر آزادی کی کوئی رمق بھی باقی رکھنی ہے تو اسی قسم کی چیز کی ضرورت ہے۔

(پولیٹیکل آئیڈیلز ۵۲، ۵۳)

جمہوریت میں الیکشن اور اس کے لیے پروپیگنڈے کا جو طریقہ جاری ہے اس میں حکومت بھاری اکثریت میں ایسے لوگوں کی قائم ہوتی ہے جو مالدار ہوں اور جاہ پرست ہوں۔ دوسری

چیز یہ ہے کہ جمہوریت اور بالغ رائے دہی کے لیے ضروری ہے کہ تمام بالغ لوگ اخلاقی طور پر بہت بلند ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو حکام کے لیے عوام کی اصلاح تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس کو ہم چند مثالوں سے واضح کریں گے۔

امریکہ میں شراب کے کثرتِ استعمال سے جرائم کی بھرمار اور خاندان کی تباہی اور اس کے نتیجہ میں اقتصادی نقصانات بہت بڑھ گئے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قدیم دور میں بیئر استعمال ہوتی تھی جس میں الکحل صرف ۵ یا ۷ فیصد ہوتی تھی اور ۱۵ فیصد سے زیادہ الکوحل والی شراب بنانا ہی ناممکن تھا۔ جب وسکی جو تیس فیصد ہوتی عمل کشید کے ذریعے بننے لگی تو شراب کے تباہ کن اثرات میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کی روک تھام کے لیے حکومت نے شراب کے استعمال پر پابندی لگا دی اور اسے غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ ایسا اچانک نہیں ہوا بلکہ تقریباً ایک صدی تک سمجھ دار لوگ ایسی تحریکیں چلاتے رہے کہ شراب کا استعمال بند ہو یا کم سے کم ہو۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ۸۰ سال تک امریکہ میں شراب کا استعمال خلافِ قانون رہا۔ مگر عوام اس قانون کو توڑتے رہے اور جرائم پیشہ لوگ اس کی غیر قانونی تجارت سے مالا مال ہوتے رہے۔ آخر کار ۱۹۳۳ء میں شراب پر پابندی کا قانون واپس لے لیا گیا۔ اسی طرح آج کل کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ہیروئن کو بھی قانوناً آزاد کر دیا جائے تاکہ جرائم پیشہ افراد اس کے ذریعے دولت نہ کما سکیں اور اس کی تجارت قانون کے اندر ہونے لگے۔

میں جو ابھی سرکاری اجازت ناموں سے جاری ہے۔

قحبہ گری اور لواطت ہر مذہب اور معاشرہ میں بری چیز سمجھی جاتی ہے۔ انگلینڈ میں لواطت تو شروع ہی سے خلاف قانون رہی مگر قحبہ گری اجازت ناموں کے ذریعے سے سرکاری سرپرستی میں محدود علاقوں میں محدود پیمانے پر جاری تھی۔ لیکن جب عوام میں بدچلنی بہت بڑھ گئی تو آخر کس کس کو جیل میں ڈالتے اور پھر لیڈروں کو خطرہ تھا کہ لوطی اور زنا کے رسیا ان کو ووٹ نہ دیں گے۔ پس ووٹوں کے ضائع ہونے کے خوف سے انگلینڈ جیسے عیسائی ملک میں سرکاری مذہب پروٹسٹنٹ ہونے کے باوجود آخر کار پارلیمنٹ کو لواطت اور قحبہ گری کو اگر آپس کی رضامندی سے ہو تو جرائم کی لسٹ سے خارج کر کے سوسائٹی کے لیے گناہوں کی عام اجازت دینی پڑی۔

یہ صرف اس لیے ہوا کہ لیڈروں کو آخر ان بدکار لوگوں کے ووٹ بھی درکار تھے۔ اس لیے ان کو خوش کرنا بھی ضروری تھا۔ اسی طرح سگریٹ نوشی چاہے کتنی ہی تباہ کن اور جان لیوا کیوں نہ ہو مگر جمہوری حکومتیں اسے خلاف قانون نہیں قرار دے سکتیں کیونکہ آخر تمباکو نوشوں کے ووٹ بھی تو حاصل کرنے ضروری ہوتے ہیں۔

جمہوری امریکہ میں مجرموں اور سیاست دانوں کا گٹھ جوڑ شروع سے رہا ہے۔ وہاں کے قوانین مجرموں کے حق میں جاتے ہیں۔ مثلاً امریکی رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ لکھتا ہے کہ صرف نیویارک میں محض ۱۹۸۱ء میں ایک لاکھ سات ہزار لوگوں کو چاقو یا چھرا دکھا کر لوٹا گیا۔ نیویارک کی سڑکوں پہ ۱۵ ہزار ڈاکو گھومتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی مفصل سوانح دی گئی ہے۔ جس کا نام ریڈ ہے۔ وہ بار بار پکڑے جانے کے باوجود چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صفحہ ۶۸ پر مصنف لکھتا ہے کہ وہ پھر چھوٹ گیا اور اسے یقین ہوگیا کہ یہ سارا سسٹم ہی ایک مذاق ہے۔ اگلے پانچ ماہ میں پولیس کے مطابق اس نے مزید ۱۰۰ ڈاکے ڈالے۔ صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے کہ ڈاکوؤں کی بھاری اکثریت بانڈ پہ آزاد پھر رہی ہے۔ ان میں سے بہت سے معصوم لوگوں کا شکار جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان معصوموں کے ٹیکس کے ڈالر مجرموں کو ہٹانے کی بجائے عوام کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔

(ریڈرز ڈائجسٹ اپریل ۱۹۸۳ء)

یہ سب کچھ امریکی جمہوری حکومت میں ہو رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پارٹی کو مجرم بہرحال درکار ہوتے ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوسرے دولت کے بل پہ منتخب ہونے والوں کی اکثریت اخلاق سے عاری ہوتی ہے۔ امریکہ میں بنکوں کے ۲۰ فیصد اور دوکانوں کے ۷۵ فیصد ملازم چور ہیں (دی سوشیالوجی آف سوشل پرابلمز مصنف مارٹن ولیس لائی ص ۱۳۰)۔

صرف کمپیوٹر کے ذریعے ہر سال کئی بلین ڈالر چوری ہوتے ہیں (ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۸۶ء ص ۶۹) کروڑوں ڈالر کے فراڈ بڑے صنعت کاروں کے لیے عام بات ہے (سوشیالوجی آف سوشل پرابلمز صفحہ ۱۳۰) سفارت کار دہشت گردی۔ فحاشی پھیلاتے ہیں۔ کولمبیا کا سفارت کار سپین میں کوکین لاتا ہوا پکڑا گیا۔ (ریڈرز ڈائجسٹ نومبر ۸۶ ص ۴۲)

برطانیہ کا وزیراعظم لائیڈ جارج خطابات ان کو بیچا کرتا تھا جو اس کی پارٹی کو زیادہ فنڈ دیتے تھے۔
(ڈیوڈ تھامسن: انگلینڈ بیسویں صدی میں: ۸۶ پیلیکن ہسٹری آف انگلینڈ)

امریکہ میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پولیس اور عدالتوں کا رویہ تو معاندانہ ہوتا ہی ہے لیکن پٹس برگ کے ایس۔ پی کے مطابق سوسائٹی اس عورت کو قصور وار گردانے کا رجحان رکھتی ہے جس سے زیادتی ہوتی ہے (وومن اینڈ کرائم ان امریکا: لی باؤکر: ۲۰۰ مطبوعہ میکمیلن کمپنی نیویارک) سٹر اس لکھتا ہے کہ کٹی کے سرعام قتل کے واقعہ میں سڑک پر کھڑے ہوئے کسی شخص نے لڑکی کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ وہ اس خیال میں رہے کہ قاتل اس کا خاوند ہے (محولہ بالا ص ۲۷۲) ہر روز ۴ بیویاں قتل اور سالانہ دس لاکھ زخمی ہوتی ہیں۔ خود ہمارے ملک میں یورپ کی نقالی میں یہ طریقہ رائج ہو چکا ہے کہ حکومتی پارٹی اور اپوزیشن پارٹی سب کے اپنے اپنے غنڈے ہوتے ہیں جن کی سیاست دان پشت پناہی کرتے ہیں پس دریں حالات جبکہ لیڈروں کی اکثریت کا یہ حال ہو اور جھوٹ۔ رشوت۔ بے ایمانی۔ فراڈ۔ لالچ کا چلن ملک میں رائج ہو تو یہ ازحد ضروری ہے کہ حکومت جرنیلی ہو یا جمہوری ہر حکومت کو سختی سے قرآن وسنت و اخلاقی قدروں کے اعلیٰ معیار کا پابند کیا جائے۔ ورنہ سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قرآن وسنت کو آئین کا حاکم اور آئین کو قرآن کا محکوم بنایا جائے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

پس اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ جس ملک میں سب کا ایمان کلمہ پر ہے۔ اس ملک میں آئین کو قرآن کا محکوم بنایا جائے اور سنت کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ اسمبلی کے ممبر تقویٰ کے ساتھ ساتھ علوم دین و دنیا کے ماہر بھی ہوں مصنف ہوں۔ محقق ہوں۔ علما و دانشور ہوں۔ امین ہوں۔ شیطان کا چیلہ یوں اعلان کرتا ہے:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر

خود شیطان خوف زدہ ہو کر یوں پکارتا ہے:

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل شعر کی عملی تصویر آج ہمارے سامنے ہے!

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری

اقبال نے واضح طور پر اپنے چھٹے لیکچر ص ۱۷۹ مطبوعہ اشرف پر کہا ہے کہ: یورپ کی آپس میں غیر روادار جمہوریتوں کا واحد مقصد امیروں کے مفاد میں غریبوں کا استحصال کرنا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک آئین کے بغیر گذارہ نہیں اور ملت محمدیہ کا آئین قرآن ہے۔ نظم کا عنوان ہی یہ ہے

در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت
نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است

قرآن تنبیہ کرتا ہے: جن لوگوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا ان کی عداوت تم کو ان سے زیادتی کرنے کا سبب نہ بنے (۵ : ۲۰)۔

استاد پرویز نے فرمایا:

خلافت راشدہ کی بنیاد کتاب و سنت پر تھی ... خلیفہ صرف احکام دینیہ کو نافذ کرنے کا مجاز تھا۔ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت اس سے شرط کی جاتی تھی کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کرے گا۔ (اسلم جیراج پوری: تاریخ الامت: ۲ : ۲۵۷، ۲۵۸) عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نیا قانون بنانے والا نہیں شریعت پر عمل کرنے والا ہوں۔ علامہ اقبال کے نزدیک جنگ کا موقع یا ایمرجنسی غرضکہ کوئی بھی حالت ہو حتیٰ کہ مارشل لا کو بھی قرآن و سنت سے سرمو تجاوز کرنے کا حق نہیں۔ قرآن و سنت کی متابعت ہر حال میں ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں بھی انہوں نے نظم لکھی ہے:

محاصرہ ادرنہ

آخر امیر عسکر ترکی کے حکم سے
"آئین جنگ" شہر کا دستور ہو گیا
ہر شے ہوئی ذخیرہ لشکر میں منتقل
شاہین گدائے دانہ عصفور ہو گیا
لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثل صاعقہ طور ہو گیا
"ذمی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام"
فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا

چھوٹی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج
مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

جو جبری یا جمہوری حکومت قرآن و سنت کی پابند نہ ہو وہ واضح کفر اور خدا و رسول سے کھلی بغاوت ہے۔ سید قطب لکھتے ہیں: "ایک عرب لغوی لحاظ سے کلمہ طیبہ کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ خدا کے سوا کسی کی حاکمیت نہ ہو۔ خدا کے سوا کسی کا قانون نہ ہو۔ کسی انسان کا دوسرے انسان پر اقتدار نہ ہو۔ کیونکہ اقتدار صرف خدا کے لیے ہے۔ اسلام جس قومیت کا علمبردار ہے۔ وہ اس عقیدہ کی قومیت ہے جس میں عربی۔ ایرانی رومی تمام رنگ و نسل کے لوگ مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

(معالم فی الطریق: ۲۴، ۲۵)

آج ہماری اسمبلیوں میں علم امانت و تقویٰ نہیں ہے کہ جمہوریت بدنام اور عوام کا ناک میں دم ہے۔ عدل اسلام کا اہم معنیٰ لفظ ہے۔ اور ظلم عربی میں کسی کو اس کے مقام پہ نہ رکھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق کسی کو کوئی اہم کام سپرد کرتے وقت خاص اس کام میں اس کی قوت و قابلیت کے ساتھ اس کا امین و حفیظ و علیم ہونا ضروری ہے (القصص: ۲۶۔ یوسف: ۵۵) قرآن نے مال کو فتنہ کہا ہے اور تقویٰ کی معراج یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلاۃ و السلام کا وصال ہوا تو آپکی زرہ جو کے تیس صاع کے عوض گروی رکھی تھی اور آپ پر کبھی زکاۃ فرض نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ ایک طرف خالدؓ و معاویہؓ سے باز پرس کرتے دوسری طرف یہ حال تھا کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے سر پر پھٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ اس حالت میں کاندھے پر مشک لیے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے اور فرماتے کہ حاکم عوام کا غلام ہوتا ہے۔ (شبلی: الفاروق: ۲، ۲۷ مطبوعہ دہلی) پس عوام کو جو اختیارات اور بلند مقام اسلامی نظام میں حاصل ہیں اور کہیں حاصل نہیں ہو سکتے۔ الشوریٰ پرشاد لکھتا ہے کہ فیروز شاہی عہد میں عدل و انصاف کی حکومت تھی۔ تمام لوگ مسرور تھے۔ چیزوں کی فراوانی و ارزانی تھی۔ عام رعایا قانع اور دولت مند ہو گئی۔ یہ کارنامہ پیغمبر اسلام کے قوانین کی بدولت تھا (الیشوری پرشاد: پالیٹکس ان پری مغل ٹائمز بحوالہ: ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک مطبوعہ اعظم گڑھ: ۲۷۲) بے تعصبی کی معراج یہ کہ جلال الدین خلجی پر ہندو نے قاتلانہ حملہ کیا۔ بہادری پر اس کو خلعت اور گھوڑا دیا گیا۔ (محولہ بالا: ۱۲۷)

تارا چند لکھتا ہے:

"قانون اور پالیسی کی بنا مسلمان حکمران ہندوؤں کے ساتھ بے تعصبی برتتے تھے۔

ہندو مسلمانوں کے خلاف بھی انصاف حاصل کرتے تھے"

چوری اور ڈاکہ کا پتہ نہ چلتا تو وہاں کے حاکم کو سزا ملتی (اے شارٹ ہسٹری آف انڈین پیپل:

۲۰۳ و ۲۱۷ مطبوعہ میکملن ۱۹۴۳ء) بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ: خلافت میں مٹھی بھر جنگجو مسلمان اعلیٰ تہذیب اور غیر مذہب کی حامل آبادیوں پر بغیر مشکل کے اس وجہ سے حکومت کرتے رہے کہ ان میں تعصب نہ تھا (اے ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی: ۴۲۱: اے کلرین بک نیویارک ۱۹۶۷ء)۔

شبلی نے مصر کے پادری کی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے فتح مصر کے وقت کسی مسلمان سپاہی کے تیر سے حضرت عیسیٰؑ کی تصویر کی آنکھ خراب ہوگئی۔ عیسائیوں نے دعویٰ کیا اور مطالبہ کیا کہ بدلے میں مسلمانوں کے پیغمبر کی تصویر کی آنکھ پھوڑنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے تو تصویر بنانا ہی ممکن نہ تھا۔ اس لیے گورنر عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ ہم میں سے جس کی آنکھ چاہو تم پھوڑ سکتے ہو اور خنجر اس کے ہاتھ میں دیکر اپنی آنکھ بھی پیش کر دی۔ ایک عیسائی نے خنجر تو لے لیا۔ لیکن پھر اس نے کہا کہ جو قوم اس درجہ دلیر فیاض اور بے تعصب ہو اس سے انتقام لینا سخت بے رحمی اور بے قدری ہے (خطبات شبلی: ۷۶ مطبوعہ اعظم گڑھ)۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنے فوجیوں سے کہا تھا کہ میرا قبضہ تمہاری تلواروں سے نہیں بلکہ میرے فاضل قاضیوں کی وجہ سے قائم ہے۔ یاد رہے کہ عمرو بن العاصؓ کے بیٹے کو حضرت عمرؓ نے قصاص میں ایک غیر مسلم سے کوڑے پٹوائے تھے۔

قرآن نے نسلی و وطنی تعصب کو یہ اعلان کرکے ختم کیا کہ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور رسالت مآبؐ نے اعلان کیا کہ "عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اور یہ کہ آدمؑ کو جب بنایا گیا تو ان کے جسم میں تمام ملکوں کی مٹی شامل کی گئی"۔ پس وطن کی بنا پر تفریق ممکن نہیں اور تعصب برتنے والا آپؐ کی امت میں سے نہیں ہو سکتا۔ وطنی نسلی قومیتی لسانی نعرے توحید کے منافی ہیں (التوبہ: ۲۴)

"منہاج" کے پانچ سالہ مضامین ایک نظر میں

جنوری ۱۹۸۸ء تا دسمبر ۱۹۹۲ء

شمارہ جنوری، اپریل ۱۹۸۸ء

نام مضمون	نام مضمون نگار
قرآن اور شوریٰ	مولانا سعید الرحمان علوی
حلف بالیمین کی شرعی حیثیت	مولانا مفتی غلام سرور قادری
اسلام میں احتساب کا تصوّر	ڈاکٹر لیاقت علی نیازی
علم میراث کے اہم مباحث	ڈاکٹر مفتی عبد الواحد
جاوید احمد غامدی کے مضمون پر ناقدانہ نظر	ڈاکٹر مفتی عبد الواحد
اسلامی مملکت میں قیام امن	مولانا سعد صدیقی
افتاء اور اصول افتاء	مولانا مفتی محمد علی
تغیر پذیر معاشرہ میں شریعت کا کردار	مولانا طاسین صاحب
گھوڑ دوڑ کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر عبد المالک عرفانی